

حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و کمالات بیان کرنے پر پابندی

<?xml encoding="UTF-8">

تاریخ انسانیت میں بہت ہی کم شخصیتیں مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام جیسی ہوگی جن کے دوست اور دشمن دونوں مل کر ان کے فضائل و کمالات کو چھپائے ہوں گے اس کے باوجود ان کے فضائل و کمالات سے عالم پُر ہے۔

دشمن نے ان سے عداوت و دشمنی کو اپنے دل میں بٹھا رکھا، اور حسد و کینہ کی وجہ سے ان کے بلند و بالا فضیلت مقامات اور کمالات کو لوگوں سے چھپایا، اور دوست نے جواںمیدل و جان سے چاہتا اور محبت کرتا ہے وہ دشمنوں کے شکنجے اور جان کے خوف کی وجہ سے ان کے فضائل و کمالات کو چھپایا، ان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہ تھا کہ اپنے لبوں کو جنبش نہ دیں اور ان سے محبت و الفت کا اظہار نہ کریں اور ان کے متعلق اصلاً گفتگو نہ کریں۔

خاندان بنی امیہ کے افراد ہمیشہ اس بات پر کوشاں رہتے تھے کہ جس طرح سے بھی ممکن ہو علی علیہ السلام اور ان کے خاندان کے فضائل کو مٹادیا جائے۔

بس اتنا کہنا ہی کافی تھا کہ یہ علی علیہ السلام کا چاہنے والا ہے بنی امیہ کے حکومتی سپاہیوں میں سے دو آدمی گواہی دیتے تھے کہ یہ علی علیہ السلام کا چاہنے والا ہے اور فوراً ہی اس کا نام حکومت میں کام کرنے والوں کی فہرست سے حذف کر دیا جاتا تھا، اور بیت المال سے اس کا وظیفہ بند کر دیا جاتا تھا، معاویہ اپنے گورنروں اور حاکموں کو خطاب کرتے ہوئے کہتا ہے: اگر کسی شخص کے لئے معلوم ہو جائے کہ وہ علی علیہ السلام اور ان کے خاندان سے محبت رکھنے والا ہے تو اس کا نام کام کرنے والوں کی فہرست سے خارج کر دو، اور اس کا وظیفہ ختم کر دو اور اسے تمام سہو لتوں سے محروم کر دو۔ [1]

پھر معاویہ اپنے دوسرے حکم نامہ میں سختی اور تاکید سے حکم دیتا ہے کہ: جو بھی علی علیہ السلام اور ان کے خاندان سے دوستی کا دم بھرتا ہے اس کے ناک اور کان کو کاٹ ڈالو اور ان کے گھر کو ویران کر دو۔ [2]

اس فرمان کے نتیجے میں، عراق کی عوام خصوصاً اہل کوفہ اس قدر ڈرے اور سہمے کہ شیعوں میں سے کوئی بھی ایک شخص معاویہ کے جاسوسوں کی وجہ سے اپنے راز کو اپنے دوستوں تک سے بیان نہیں کر سکتا تھا مگر یہ کہ پہلے قسم لے لیتا تھا کہ اس کے راز کو فاش نہ کرنا۔ [3]

اسکافی اپنی کتاب نقض عثمانیہ میں لکھتے ہیں :

بنی امیہ اور بنی عباس کی حکومت، مولائے کائنات کے فضل و کمالات کے متعلق بہت زیادہ حساس تھی اور ان کے فضائل کو روکنے اور مشہور نہ ہونے کے لئے اس نے اپنے فقہاء و محدثین اور قاضیوں کو اپنے پاس بلایا اور بہت سختی سے منع کیا کہ اپنی اپنی کتابوں میں علی علیہ السلام کے فضائل و کمالات کو نقل نہ کریں، اس وجہ سے بہت سے محدثین مجبور تھے کہ امام کے فضائل و کمالات کو اشارے اور کنایہ کے طور پر نقل کریں اور یہ کہیں کہ قریش کے فلاں آدمی نے ایسا کیا ہے۔

معاویہ نے تیسری مرتبہ سرزمین اسلامی پر پھیلے ہوئے اپنے سیاسی نمائندوں کو خط لکھا کہ علی کے شیعوں کی گواہی کسی بھی مسئلے میں قبول نہ کریں۔

لیکن اس کا یہ حکم بہت زیادہ مفید ثابت نہ ہوا جو علی و خاندان کے فضائل کو منتشر ہونے سے روک پاتا،

اس وجہ سے معاویہ نے چوتھی مرتبہ اپنے گورنر کو لکھا کہ جو لوگ عثمان کے فضائل و مناقب کو نقل کریں ان کا احترام کرو اور ان کا نام اور پتہ میرے پاس روانہ کرو تا کہ ان کی عظیم خدمات کا صلہ انہیدیا جا سکے۔

یہ ایک ایسی خوشخبری تھی جو اس بات کا سبب بنی کہ تمام شہروں میں عثمان کے جعلی فضائل و مناقب گڑھے جانے لگے اور یہ فضائل نقل کرنے والے عثمان کے فضائل کے متعلق حدیثیں لکھ کر مالدار بننے لگے، اور یہ سلسلہ بڑی تیزی سے چلتا رہا۔ یہاں تک کہ خود معاویہ اس بے اساس اور جھوٹے فضائل کے مشہور ہونے کی وجہ سے بہت ناراض ہوا اور اس مرتبہ حکم دیا کہ عثمان کے فضائل بیان نہ کیئے جائیں۔ اور خلیفہ اول اور دوم اور دوسرے صحابہ کے فضائل بیان کئے جائیں اور اگر کوئی محدث ابو تراب کی فضیلت میکوئی حدیث نقل کرے تو فوراً اسی سے مشابہ ایک فضیلت پیغمبر کے دوسرے صحابیوں کے بارے میں گڑھ دیا جائے اور اسے لوگوں کے درمیان بیان کیا جائے کیونکہ یہ کام شیعوں کی دلیلوں کو بے اثر کرنے کیلئے بہت مؤثر ہے [4]

مروان بن حکم ان لوگوں میں سے تھا جس کا یہ کہنا تھا کہ علی نے عثمان کا جو دفاع کیا تھا ایسا دفاع کسی نے نہیں کیا۔ اس کے باوجود ہمیشہ امام علیہ السلام پر لعنت و ملامت کرتا تھا۔ جب اس پر اعتراض کیا گیا کہ تم علی کے بارے میں جب ایسا عقیدہ رکھتے ہو تو پھر کیوں انہیں برا بھلا کہتے ہو تو اس نے جواب دیا: میری حکومت صرف علی کو برا بھلا کہنے اور ان پر لعنت کرنے کی وجہ سے ہی محکم اور مستحکم ہوگی، اور ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی تھے جو حضرت علی کی پاکیزگی اور طہارت اور عظمت و جلالت کے قائل تھے لیکن اپنے مقام و منصب کی بقا کے لئے حضرت علی اور ان کے بچوں کو برا بھلا کہتے تھے۔

عمر بن عبدالعزیز کہتے ہیں:

میرے باپ مدینہ کے حاکم اور مشہور خطیب اور بہت بہادر تھے، اور نماز جمعہ کا خطبہ بہت ہی فصیح و بلیغ انداز سے دیتے تھے، لیکن حکومت معاویہ کے فرمان کی وجہ سے مجبور تھے کہ خطبہ جمعہ کے درمیان علی علیہ السلام اور ان کے خاندان پر لعنت کریں، لیکن جب گفتگو اس مرحلے تک پہنچی تو اچانک ان کی زبان لکنت کرنے لگتی اور ان کے چہرہ کارنگ تبدیل ہونے لگتا اور خطبہ سے فصاحت و بلاغت ختم ہو جاتی تھی۔ میں نے اپنے باپ سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے جواب دیا جو کچھ میں علی علیہ السلام کے بارے میں جانتا ہوں اگر دوسرے بھی وہی جانتے تو کوئی بھی میری پیروی نہیں کرتا اور میں علی - کے تمام فضائل و کمالات اور معرفت کے بعد بھی انہیں برا بھلا کہتا ہوں، کیونکہ آل مروان کی حکومت کو بچانے کیلئے میں مجبور ہوں کہ ایسا کروں [5]

بنی امیہ کی اولاد کادل علی کی دشمنی سے لبریز تھا، جب کچھ حقیقت پسند افراد نے معاویہ کو نصیحت کی کہ اس کام سے باز آجائے تو معاویہ نے کہا کہ میاس مشن کو اس حد تک جاری رکھوں گا کہ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے یہ فکر لئے ہوئے بڑے ہو جائیں اور ہمارے بزرگ اسی حالت میں بوڑھے ہو جائیں۔

حضرت علی علیہ السلام کو ساٹھ سال تک منبروں، نشستوں میں وعظ و نصیحت اور خطباء کے ذریعے، اور درس و تدریس کے ذریعے، خطباء اور محدثین کے درمیان معاویہ کے حکم سے برا بھلا کہا جاتا رہا اور یہ سلسلہ اس قدر مفید و مؤثر ہوا کہ کہتے ہیں کہ ایک دن حجاج نے کسی مرد سے غصہ میں بات کی اور وہ شخص قبیلہ "بنی ازد" کا رہنے والا تھا، اس نے حجاج کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: اے امیر! مجھ سے اس انداز سے بات نہ کرو، ہم بافضیلت لوگوں میں سے ہیں۔ حجاج نے اس کے فضائل کے متعلق سوال کیا اس نے جواب دیا کہ ہمارے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ ہے کہ اگر کوئی چاہتا ہے کہ ہم سے تعلقات بڑھائے تو سب سے پہلے ہم اس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا وہ ابوتراب کو دوست رکھتا ہے یا نہیں؟!

اگر وہ تھوڑا بہت بھی ان کا چاہنے والا ہوتا ہے تو ہرگز ہم اس سے تعلقات و رابطہ برقرار نہیں کرتے۔ علی علیہ السلام اور ان کے خاندان سے ہماری دشمنی اس حد تک ہے کہ ہمارے قبیلے میں کوئی بھی ایسا شخص نہیں ملے گا کہ جس کا نام حسن یا حسین ہو اور کوئی بھی لڑکی ایسی نہیں ملے گی جس کا نام فاطمہ ہو۔ اگر ہمارے قبیلے کے کسی بھی شخص سے یہ کہا جائے کہ علی -سے کنارہ کشی اختیار کرو تو فوراً اس کے بچوں سے بھی دوری اختیار کرلیتا ہے۔[6]

خاندان بنی امیہ کے لوگوں نے مولائے کائنات حضرت علی (ع) کے فضائل کو پوشیدہ رکھا اور ان کے مناقب سے انکار کیا اور اتنا برا بھلا کہا کہ بزرگوں اور جوانوں کے دلوں میں رسوخ کر گیا اور لوگ حضرت علی (ع) کو برا کہنا ایک مستحب عمل سمجھنے لگے۔ اور بعض لوگوں نے اسے اپنا اخلاقی فریضہ سمجھا۔ جب عمر بن عبد العزیز نے چاہا کہ اسلامی معاشرے کے دامن پر لگے اس بد نما داغ کو پاک کرے، تو بنی امیہ کی روٹیوں پر پلنے والے کچھ لوگوں نے نالہ و فریاد بلند کرنا شروع کر دیا کہ خلیفہ، اسلامی سنت کو ختم کرنا چاہتا ہے۔

ان تمام چیزوں کے باوجود اسلامی تاریخ کے اوراق آج بھی گواہی دے رہے ہیں کہ بنی امیہ کے بد خصالوں نے جو نقشہ کھینچا تھا ان کی آروزئیں خاک میں مل گئیں اور ان کی مسلسل کوششوں نے توقع کے خلاف نتیجہ دیا اور فضائل و مناقب امام (ع) اموی خطیبوں کے چھپانے کے باوجود سورج کی طرح چمکا، اور اس نے نہ صرف یہ کہ لوگوں کے دلوں میں حضرت علی (ع) کی محبت کو بیدار کیا بلکہ یہ سبب بنا کہ لوگ حضرت علی علیہ السلام کے بارے میں بہت زیادہ تلاش و جستجو کریں اور امام علیہ السلام کی شخصیت پر سیاست کی عینک اتار کر قضاوت کریں، یہاں تک کہ عبداللہ بن زبیر کا پوتا عامر جو خاندان علی کا دشمن تھا اپنے بیٹے کو وصیت کرتا ہے کہ علی کو برا کہنے سے باز آجائے کیونکہ بنی امیہ نے ساٹھ سال تک منبروں سے علی پر سب و شتم کیا لیکن نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا بلکہ حضرت علی (ع) کی شخصیت اور بھی اجاگر ہوتی گئی اور لوگوں کے دلوں میں ان کی محبت اور بھی بڑھتی گئی۔[7]

پہلا مددگار

مولائے کائنات کے فضائل کا چھپانا اور ان کے مسلم حقائق کے بارے میں منصفانہ تحلیل تحلیل نہ کرنا صرف بنی امیہ کے زمانے سے مخصوص نہیں تھا بلکہ بشریت کے اس نمونہء کامل ہمیشہ ہتک کی متعصب مؤرخین نے مولائے کائنات حضرت علی (ع) کے خاندان اور ان کے حق پر حملہ کرنے سے گریز نہیں کیا ہے۔ اور آج بھی جب کہ اسلام آئے ہوئے چودہ صدیاں گزر گئیں وہ لوگ جو اپنے کو نئی نسل کا رہبر اور روشنفکر تصور کرتے ہیں اپنے زہریلے قلم کے ذریعے اموی مقاصد کی مدد کرتے ہیں اور مولائے کائنات کے فضائل و مناقب پر پردہ ڈالتے ہیں جس کی ایک واضح مثال یہ ہے:

غار حرا میں پہلی مرتبہ پیغمبر (ص) کے قلب پر وحی الہی کا نزول ہوا اور پیغمبر (ص) منصب رسالت و نبوت پر فائز ہوئے، وحی کے فرشتے نے اگرچہ آپ کو مقام رسالت سے آگاہ کر دیا لیکن اعلان رسالت کا وقت معین نہیں کیا، لہذا پیغمبر (ص) نے تین سال تک عمومی اعلان سے گریز کیا اور جب بھی راستے میں شائستہ اور معتبر افراد سے ملاقات ہوتی یا خصوصی ملاقات ہوتی تو ان کو اس نئے قوانین الہی سے روشناس کراتے اور چند گروہ کو اس نئے قانون الہی کی دعوت دیتے، یہاں تک کہ وحی کا فرشتہ نازل ہوا اور خداوند عالم کی طرف سے حکم دیا کہ اے پیغمبر اپنی رسالت کا اعلان اپنے رشتے داروں و دوستوں کے ذریعے شروع کریں۔:

اور اے رسول! تم اپنے قریبی رشتہ داروں کو (عذاب خدا سے) ڈراؤ اور جو مومنین تمہارے پیرو ہو گئے ہیں ان کے سامنے اپنا بازو جھکاؤ (تواضع کرو) پس اگر لوگ تمہاری نافرمانی کریں تو تم (صاف صاف) کہہ دو کہ میں تمہارے کرتوتوں سے بری الذمہ ہوں۔

پیغمبر (ص) کی عمومی دعوت کا اعلان رشتہ داروں سے شروع ہونے کی علت یہ ہے کہ جب تک نمائندہ الہی کے قریبی اور نزدیکی رشتہ دار ایمان نہ لائیں اور اس کی پیروی نہ کریں اس وقت تک غیر افراد اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہہ سکتے، کیونکہ اس کے قریبی افراد اس کے تمام حالات و اسرار اور تمام کمالات و معایب سے آگاہ ہوتے ہیں، لہذا اعزہ و احباب کا ان کی رسالت پر ایمان لانا ان کی صداقت کی نشانی شمار ہوگا اور رشتہ داروں کا پیروی و اطاعت سے اعراض کرنا ان کی صداقت سے منہ پھیرنا ہے۔

اسی لئے پیغمبر (ص) اسلام نے حضرت علی علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی ہاشم کے ۴۵ بزرگوں کو دعوت پر مدعو کریں اور ان کے کھانے کیلئے گوشت اور دودھ کا انتظام کریں، تمام مہمان اپنے معین وقت پر پیغمبر کی خدمت میں حاضر ہوئے اور لوگوں نے کھانا کھایا، پیغمبر کے چچا ابولہب نے ایک حقیر اور پست جملہ سے، بنے ہوئے ماحول کو خراب کر دیا اور لوگ منتشر ہو گئے اور بغیر کسی نتیجہ کے دعوت ختم ہو گئی اور لوگ کھانا کھا کر پیغمبر کے گھر سے نکل گئے۔

پیغمبر نے پھر دوسرے دن اسی طرح کی دعوت کا اہتمام کرنے اور ابو لہب کے علاوہ تمام لوگوں کو دعوت دینے کا ارادہ کیا اور پھر حضرت علی - نے پیغمبر کے حکم سے گوشت اور دودھ کھانے کے لئے آمادہ کیا اور بنی ہاشم کی مشہور و معروف شخصیتوں کو کھانے اور پیغمبر کی گفتگو سننے کے لئے دعوت دی، تمام مہمان اپنے معین وقت پر حاضر ہوئے اور کھانے وغیرہ کی فراغت کے بعد پیغمبر نے اپنی گفتگو کا آغاز یوں کیا :

”خدا کی قسم میں لوگوں کو راہ راست پر لانے میں غلط بیانی سے کام نہ لوں گا میں (بر فرض محال) اگر دوسروں سے غلط بیانی سے کام لوں تو بھی تم سے غلط نہیں کہوں گا اگر دوسروں کو دھوکہ دوں تو تمہیں دھوکا نہیں دوں گا، خدا کی قسم کہ جس کے علاوہ کوئی خدا نہیں میں تمہاری طرف اور تمام عالم کی ہدایت کے لئے اسی کی طرف سے بھیجا گیا ہوں، ہاں، آگاہ ہو جاؤ، جس طرح تم سو جاتے ہو ویسے ہی مر جاؤ گے اور جس طرح سو کر اٹھتے ہو ویسے ہی زندہ کئے جاؤ گے، اچھے اعمال انجام دینے والوں کو ان کا اجر دیا جائے گا اور برے اعمال انجام دینے والے اپنے عمل کا نتیجہ پائیں گے، اور نیک اعمال کرنے والوں کے لئے جنت ہمیشگی کا گھر ہے اور برے کام کرنے والوں کے لئے جہنم آمادہ ہے۔

کوئی بھی شخص اپنے اہل و عیال کے لئے مجھ سے اچھی چیز نہیں لایا ہے میں تمہاری دنیا و آخرت کے لئے بھلائی لے کر آیا ہوں میرے خدا نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم کو اس کی وحدانیت اور اپنی رسالت کی طرف دعوت دوں تم میں سے کون ہے جو اس راہ میں میری مدد کرے تا کہ وہ میرا بھائی، وصی اور تمہارے درمیان میرا نمائندہ ہو؟“

آپ نے یہ جملہ کہا اور تھوڑی دیر خاموش رہے تاکہ دیکھیں کہ حاضرین میں سے کون ہمیشہ نصرت و مدد کرنے کے لئے آمادہ ہوتا ہے مگر اس وقت خاموشی نے ان پر حکومت کر رکھی تھی اور سب کے سب اپنے سروں کو جھکائے فکروں میں غرق تھے۔

یکایک حضرت علی - جن کی عمر پندرہ سال سے زیادہ نہ تھی، اس خاموشی کے ماحول کو شکست دے کر اٹھے اور پے غمبر سے مخاطب ہو کر کہا: اے پیغمبر خدا، میں آپ کی اس راہ میں نصرت و مدد کروں گا پھر اپنے ہاتھوں کو پیغمبر اسلام کی طرف بڑھایا تاکہ اپنے عہد و پیمان کی وفاداری کا ثبوت پیش کریں۔

پے غمبر نے حکم دیا کہ اے علی بیٹھ جاؤ اور پھر اپنے سوال کو ان لوگوں کے سامنے دہرایا، پھر علی علیہ السلام اٹھے اور نصرت پیغمبر کا اعلان کیا، اس مرتبہ بھی پے غمبر نے حکم دیا کہ علی بیٹھ جاؤ، تیسری مرتبہ پھر مثل سابق علی کے علاوہ کوئی دوسرا نہ اٹھا اور صرف علی نے اٹھ کر پے غمبر کی نصرت اور محافظت کا اعلان کیا۔ اس موقع پر پے غمبر نے اپنے ہاتھ کو علی کے ہاتھ میں دے ا اور حضرت علی کے بارے میں بزرگان بنی ہاشم کی بزم میں اپنے تاریخی کلام کا آغاز اس طرح سے کیا۔

”اے میرے رشتہ دارو اور دوستو، جان لو کہ علی میرا بھائی میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا جانشین و خلیفہ ہے“

سیرہ حلبی کی نقل کی بنا پر -رسول اکرم نے اس جملے کے علاوہ دو اور باتیں اس کے ساتھ بیان کیں: ”وہ میرا وزیر اور میرا بھائی ہے۔“

اس طریقے سے پر خاتم النبیین کے توسط سے اسلام کے سب سے پہلے وصی کا تعین، اعلان رسالت کے آغاز پر اس وقت ہوا جب بہت ہی کم لوگ اس قانون الہی کے پیرو تھے، پیغمبر اسلام نے ایک ہی موقع پر اپنی نبوت اور حضرت علی علیہ السلام کی امامت کا اعلان کر کے۔ یہ ثابت کر دیا کہ نبوت و امامت دو ایسے مقام ہیں جو ایک دوسرے سے جدا نہیں ہیں اور امامت تکمیل نبوت و رسالت ہے۔

اس تاریخی واقعہ کے مدارک:

شیعہ اور غیر شیعہ محدثین اور مفسرین نے اس تاریخی واقعہ کو بغیر کسی کمی و زیادتی کے اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے [9] اور امام -کے اہم فضائل و مناقب میں شمار کیا ہے اہلسنت کے صرف ایک مشہور مورخ ابن تیمیہ دمشقی نے جو اہلبیت علیہم السلام کے بارے میں ہر حدیث سے انکار کرنے میں مہارت رکھتے ہیں اس سند کو رد کیا ہے اور اس سند کو جعلی قرار دیا ہے۔

انہوں نے نہ صرف اس حدیث کو جعلی اور بے اساس قرار دیا ہے بلکہ امام کے خاندان کے سلسلے میں خاص نظریہ رکھنے کی وجہ سے اکثر ان حدیثوں کو جو خاندان رسالت کے فضائل و مناقب میں بیان ہوئیں ہیں اگر چہ وہ حد تواتر تک پہنچ چکی ہوں جعلی اور بے اساس قرار دیا ہے۔

تاریخ ”الکامل“ پر حاشیہ لگانے والے نے اپنے استاد کہ جن کا نام پوشیدہ رکھا ہے، سے نقل کیا ہے کہ میرے استاد نے بھی اس حدیث کو جعلی قرار دیا ہے (شاید ان کا استاد بھی ابن تیمیہ کی فکروں پر چلنے والا تھا، یا یہ کہ اس سند کو خلفاء ثلاثہ کی خدمت کے مخالف جانا ہے اس لئے جعلی قرار دیا ہے)، پھر وہ خود عجیب انداز سے اس حدیث کے مفہوم کی توجیہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ: اسلام میں امام علیہ السلام کا وصی ہونا، بعد میں ابوبکر کی خلافت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ اس دن علی علیہ السلام کے علاوہ کوئی مسلمان نہ تھا جو پیغمبر کا وصی ہوتا۔

ایسے افراد سے بحث و مباحثہ کرنا فضول ہے۔ ہمارا اعتراض ان لوگوں ہے جنہوں نے اس حدیث کو اپنی بعض کتابوں میں تفصیل سے اور بعض کتابوں میں مختصر اور مجمل طریقے سے ذکر کیا ہے، یعنی ایک طرح سے حقیقت بیان کرنے سے چشم پوشی کی ہے، یا ہمارا اعتراض ان افراد پر ہے جن لوگوں نے اس حدیث کو اپنی کتاب کے پہلے ایڈیشن میں شامل کیا لیکن اس کے بعد کے ایڈیشن میں کسی دباؤ اور خوف و ہراس سے حذف کر دیا ہے۔ یہاں پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم) کے انتقال کے بعد امام کے

حقوق و فضائل کو پوشیدہ اور چھپا یا گیا ہے اور آج بھی یہ سلسلہ جاری ہے ۔
اب یہاں پر ہم اس بات کی تشریح کر رہے ہیں ۔

تاریخی حقائق کا کتمان:

محمد بن جریر طبری جو تاریخ اسلام کا ایک عظیم مؤرخ ہے ، اس نے اپنی تاریخ طبری میں اس تاریخی فضیلت کو معتبر سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے [10] لیکن جب اپنی تفسیر [11] میاس آیت ”وَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ“ پر پہنچتا ہے تو اس سند کو توڑ مروڑ کر مجمل اور مبہم نقل کرتا ہے جس کی وجہ تعصب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

اس کے پہلے ہم بیان کرچکے ہیں کہ پیغمبر (ص) نے دعوت ختم ہونے کے بعد حاضرین کو مخاطب کر کے پوچھا تھا:

”فَأَيُّكُمْ يُوَازِرُنِي عَلَىٰ أَنْ يَكُونَ أَخِي وَوَصِيِّي وَخَلِيفَتِي؟“

لیکن طبری نے اس سوال کو اس طرح نقل کیا ہے۔

”فَأَيُّكُمْ يُوَازِرُنِي عَلَىٰ أَنْ يَكُونَ أَخِي وَكَذَا وَكَذَا؟!“

تعجب کی بات نہیں ہے کہ دو کلمہ وصی و خلیفتی کو تبدیل کر کے مبہم اور مجمل الفاظ کو اس کی جگہ پر ذکر کرنا سوائے تعصب اور خلیفہ کے مقام و منزلت کو گھٹانے کے کچھ نہیں ہے۔

اس نے نہ صرف پیغمبر (ص) کے سوال میں تحریف کیا ہے، بلکہ حدیث کا دوسرا حصہ جو پیغمبر اسلام (ص) نے حضرت علی (ع) سے فرمایا تھا کہ ”ان ہذا اخي و وصيِّي و خلیفتي“ بھی بدل ڈالا ہے، اور دو ایسے الفاظ جو مولائے کائنات امیر المومنین کی بلا فصل خلافت پر واضح دلیل تھے کو ایسے لفظوں یعنی کذا و کذا سے بدل دیا ہے جو غیر معروف اور غیر مشہور ہیں۔

ابن کثیر شامی جس کی تاریخ کی اساس تاریخ طبری ہے، لیکن جب اس سند تک پہنچا ہے تو تاریخ طبری کو چھوڑ کر طبری کی تفسیر کی روش کی پیروی کی اور وہ بھی مبہم اور مجمل طریقے سے ۔ ان تمام چیزوں سے بدتر وہ تحریف ہے جسے اس زمانے کے روشن فکر اور مصر کے مشہور مورخ ڈاکٹر محمد حسنین ہیکل نے اپنی کتاب ”حیات محمد“ میں کیا ہے اور خود اپنی کتاب کے معتبر ہونے پر سوالیہ نشان لگا دیا ہے۔

کیونکہ اولاً انہوں نے پیغمبر اسلام (ص) کے دو حساس جملے کو جو دعوت کے آخر میں پیغمبر نے بعنوان سوال فرمایا تھا اس کو نقل کیا ہے لیکن اس دوسرے جملے کو جو پیغمبر (ص) نے حضرت علی (ع) سے فرمایا تھا کہ تو میرا بھائی، وصی اور میرا خلیفہ ہے کو بالکل حذف کر دیا اور اس کا تذکرہ تک نہیں کیا۔

ثانیاً اپنی کتاب کے دوسرے اور تیسرے ایڈیشن میں اپنا تعصب کچھ اور بھی دکھایا اور اس حدیث کے پہلے حصے کو بھی حذف کر دیا۔ گویا متعصب افراد نے انہی اس پھلے جملے کو نقل کرنے پر ہی بہت ملامت کی، اور اس کتربیونت کی وجہ سے ناقدین تاریخ کو تنقید کا موقع دیا ، اور اپنی کتاب کے اعتبار کو گرا دیا ۔

اسکافی کا بیان

اسکافی نے اپنی مشہور و معروف کتاب میاس تاریخی فضیلت کا تذکرہ کیا ہے کہ حضرت علی (ع) نے اپنے باپ، چچا اور بنی ہاشم کی بزرگ شخصیتوں کے سامنے پیغمبر (ص) سے عہد و پیمان باندھا کہ ہم آپ کی مدد کریں

گے اور پیغمبر (ص) نے انہیں اپنا بھائی، وصی اور خلیفہ قرار دیا۔ اس کے متعلق وہ لکھتے ہیں :

”وہ افراد جو یہ کہتے ہیں کہ امام (ع) بچپن میں ہی صاحب ایمان تھے، اوریہ وہ زمانہ ہوتا ہے کہ جب بچہ اچھے اور برے میٹمیز نہیں کرپاتا، اس تاریخی فضیلت کے سلسلے میں کیا کہتے ہیں؟!

کیا یہ ممکن ہے کہ پیغمبر اسلام(ص) کثیر تعداد میں موجود افراد کے کھانے کا انتظام ایک بچے کے حوالے کریں؟ یا ایک چھوٹے بچے کو حکم دیں کہ بزرگان کو کھانے پر مدعو کرے؟

کیا یہ بات صحیح ہے کہ پیغمبر ایک نابالغ بچے کو راز نبوت بتائیں اور اپنے ہاتھ کو اس کے ہاتھ میں دےں اور اسے اپنا بھائی ، وصی اور اپنا خلیفہ لوگوں کے لئے معین کریں؟!

بالکل نہیں! بلکہ یہ بات ثابت ہے کہ حضرت علی (ع) اس دن جسمانی قوت اور فکری لحاظ سے اس حد پر پہنچ چکے تھے کہ ان کے اندر ان تمام کاموں کی صلاحیت موجود تھی ۔ یہی وجہ تھی کہ اس بچے نے کبھی بھی دوسرے بچوں سے انسیت نہ رکھی اور نہ ان کے گروہ میں شامل ہوئے اور نہ ہی ان کے ساتھ کھیل کود میں مشغول ہوئے، بلکہ جس وقت سے پیغمبر اسلام(ص) کے ساتھ نصرت و مدد اور فداکاری کا پیمانہ باندھا تو اپنے کئے ہوئے وعدے پر قائم و مستحکم رہے اور ہمیشہ اپنی گفتار کو پیغمبر (ص) کے کردار میں ڈھالتے رہے اور پوری زندگی پیغمبر(ص) کے مونس و ہمدم رہے۔

وہ نہ صرف اس موقع پر پہلے شخص تھے جو سب سے پہلے پیغمبر اسلام(ص) کی رسالت پر اپنے ایمان کا اظہار کیا، بلکہ اس وقت بھی جب کہ قریش کے سرداروں نے پیغمبر (ص) سے کہا کہ اگر آپ اپنے وعدے میں سچے ہیں اور آپ کا رابطہ خدا سے ہے تو کوئی معجزہ دکھائیں (یعنی حکم دیں کہ خرمے کا درخت یہاں سے اکھڑ کر آپ کے سامنے کھڑا ہو جائے) تو اس وقت بھی علی وہ واحد شخص تھے جو تمام لوگوں کے انکار کرنے کے باوجود اپنے ایمان کا لوگوں کے سامنے اظہار کیا۔[12]

امیر المومنین علیہ السلام نے قریش کے سرداروں کے معجزہ طلبی کے واقعے کو اپنے ایک خطبہ میں نقل کیا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ پیغمبر اسلام(ص) نے ان لوگوں سے کہا: اگر خدا ایسا کرے تو کیا خدا کی وحدانیت اور میری رسالت پر ایمان لاؤ گے؟ سب نے کہا: ہاں یا رسول اللہ۔

اس وقت پیغمبر (ص) نے دعا کی اور خدا نے ان کی دعا کو قبول کیا اور درخت اپنی جگہ سے اکھڑ کر پیغمبر(ص) کے سامنے بڑے ادب سے کھڑا ہو گیا۔ معجزہ طلب کرنے والے سرداروں نے کفر و عناد و عداوت کی راہ اختیار کی اور تصدیق کرنے کے بجائے پیغمبر(ص) کو جادوگر کے خطاب سے نوازا، اور میں پیغمبر(ص) کے پاس کھڑا تھا، میں نے ان کی طرف رخ کر کے کہا: اے پیغمبر! میں وہ پہلا شخص ہوں جو آپ کی رسالت پر ایمان لایا، اور میں اعتراف کرتا ہوں کہ درخت نے اس کام کو خدا کے حکم سے انجام دیا ہے تاکہ آپ کی نبوت کی تصدیق کرے اور آپ کے قول کو سچا کر دکھائے۔

اس وقت میرا یہ اعتراف کرنا اور تصدیق کرنا ان لوگوں پر گراں گزرا، ان لوگوں نے کہا کہ تمہاری تصدیق علی کے علاوہ کوئی نہیں کرے گا۔[13]

[1] أنظروا إلی من قامت علیہ البینۃ انه یحب علیاً واهل بیتہ فامحوہ من الدیوان واسقطو اعطائہ ووزقہ،

[2] من اتہمتہم وہ بموالات ہولاء فنکلوا بہ واهد موادارہ

[3] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۱ ص ۲۴۵۔۲۴۶

[4] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۳ ص ۱۵

[5] شرح نہج البلاغہ ج ۱۳۔ ص ۲۲۱۔

[6] فرحۃ الغری، مولف؛ مرحوم سید ابن طاووس طبع نجف، ص ۱۴۔ ۱۳۔

[7] شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید، ج ۱۳، ص ۳۲۱

[8] سورہ شعراء، آیت ۲۱۶۔ ۲۱۴

[9] تفسیر سورہ شعراء آیت نمبر ۲۱۴ کی طرف رجوع کریں

[10] اس تاریخی فضیلت کو ان کتابوں نے نقل کیا ہے ، تاریخ طبری ج ۲ ص ۲۱۶، تفسیر طبری ج ۱۹ ص ۷۴، کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۲،

شرح شفای قاضی عیاض ج ۳ ص ۳۷، سیرہ حلبی ج ۱ ص ۳۲۱ و --- اس حدیث کو تاریخ و تفسیر لکھنے والوں نے دوسرے طریقے سے

بھی نقل کیا ہے جن کو ہم یہاں نقل کرنے سے پرہیز کر رہے ہیں۔

[11] تفسیر طبری، ج ۱۹، ص ۷۴

[12] النقص علی العثمانیہ ص ۲۵۲، شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ج ۱۳ ص ۲۲۴ و ۲۲۵، میں تذکرہ کیا ہے۔

[13] نہج البلاغہ عبدہ، خطبہ ۲۳۸ (قاصعہ)